POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 February 2026, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)
ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 09-02-2026 • Price: 5/- • 15-21 February 2026 • Issue: 7 • Vol:85
۱۵ تا ۲۱ فروری ۲۰۲۶ء • شمارہ: ۷ • جلد: ۸۵

محنت کشوں اور محبتوں کا انقلابی شاعر: مخدوم محی الدین

انجینئر محمود اقبال

سر زمین دکن کے مقبول ترین شاعر مخدوم محی الدین کا 4 فروری 1908 یومِ پیدائش ہے۔ فیض احمد فیض عصرِ جدید کے 'غالب' تھے اور مخدوم فیض کے ہم عصر تھے۔ دونوں کی شاعری میں اعلا تعلیم، محبت، محنت اور جیل کی صعوبتیں ایک قدرِ مشترک نظر آتی ہیں۔ فیض کو جہاں وقت ملا اُنھوں نے اپنی بات کہی، وہیں مخدوم محرومِ وقت و فرصت رہے۔ مخدوم محی الدین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر صرف شاعری ہی تک وہ محدود رہتے تو ان کی شاعری میں اور بھی چار چاند لگ جاتے۔ ان کا شمار کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے معروف قائدین میں ہوتا تھا۔ وہ کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کی آواز تھے۔ ریاستی دارالحکومت حیدرآباد دکن میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا صدر دفتر 'مخدوم بھون' انھی کے نام سے موسوم ہے، جو حیدرآباد کے پوش علاقہ حمایت نگر میں واقع ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے یہ دفتر ایک تحفہ، لافانی یادگار اور خراج عقیدت ہے جو آج بھی حیدرآبادیوں کو مخدوم بھون سے گزرتے ہوئے مخدوم کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

چند دہائی پیشتر ترقی پذیر مصنّفین اور شاعروں کی ایک کھیپ آئی تھی جنھوں نے نت نئے تجربات کیے۔ بعض نے تو اردو رسم خط کو بھی دیوناگری رسمِ خط میں بدلنے کی مانگ اور سعی کی تھی۔ اردو کبھی 'منت پذیرِ شانہ' نہ رہی اور یہ اپنے گیسو خود ہی سنوارتی رہی۔ یہی اس زبان کی خوبی ہے یہی اس کی لچک ہے۔ مخدوم کی ایک مشہور نظم 'غالب' کا ایک مایوسانہ شعر ہے:

وہ زباں جس کا نام ہے ، اُردو
اُٹھ نہ جائے کہیں خوشی کی طرح

مخدوم اگر آج بقیدِ حیات ہوتے تو اس بات پر مسرور ہوتے کہ اس زمین سے اردو نہیں ، بلکہ اردو کے مخالفین اٹھتے جا رہے ہیں۔ مخدوم، محبتوں اور محنتوں کی شاعری کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ وہ دورِ آزادی کے مقبول ترین شاعر تھے جسے حیدرآبادیوں نے اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا تھا۔ مخدوم ان خوش نصیب شاعروں میں سے ایک ہیں جنھیں ان کی زندگی ہی میں اپنے چاہنے والوں کی بھرپور محبت و عزت ملی۔ مخدوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب تک ان کی غزل مقطع تک پہنچتی، پوری غزل حیدرآبادیوں کو یاد ہو جاتی تھی۔ مصرع بہ مصرع، شعر بہ شعر، رکشے والوں کو سنا کر، تانگے والوں کو سنا کر وہ اپنی غزل مکمل کرتے تھے اور جب تک حیدرآبادی یاد نہ کر لیتے وہ انھیں سناتے جاتے تھے۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ کمیونسٹ تحریک کو بھی، کسانوں کو بھی، مزدوروں کو بھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ادبی ذوق کو بھی:

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

مخدوم پورے برِّصغیر میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ کشمیر کے ایک مشاعرے میں بھی انھوں نے شرکت کی تھی۔ سید رحمت علی سابق رکن پارلیمنٹ نے اپنی کتاب 'سرفروشانِ وطن' میں لکھا ہے کہ مخدوم کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کے پردادا مکہ مسجد حیدرآباد کے مشہور قاری تھے۔ 'بلبلِ ہند' سروجنی نائیڈو مخدوم محی الدین کو اپنا بیٹا کہا کرتی تھیں۔ علاحدہ تلنگانہ ریاست کی مسلح جدوجہد میں بھی مخدوم پیش پیش تھے۔ مخدوم نے تلنگانہ کے کسانوں کے ساتھ چھاپہ مار لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ روپوشی اختیار کی تھی۔ وائسرائے ہند کے خلاف ایک تقریر کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کی تھیں۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے انھوں نے کہا تھا:

قید ہے قید کی میعاد نہیں
جور ہے جور کی فریاد نہیں

بتایا جاتا ہے کہ دونوں عظیم شاعروں فیض اور مخدوم نے ترقی پسند تحریک، آزادی، عوامی جدوجہد اور ادب کے سماجی کردار کے بارے میں کئی مرتبہ گفتگو کی تھی۔ مخدوم اور فیض کی بہت سی نظمیں جیل کی صعوبتوں کے پس منظر میں ہیں۔ نامساعد حالات میں مخدوم نے جامعہ عثمانیہ سے ایم اے (اردو) کیا تھا، حتیٰ کہ انھیں سڑکوں پر اخبار بھی بیچنے پڑے تھے۔ ملازمت کا آغاز گورنمنٹ سٹی کالج، حیدرآباد میں لیکچرار کی حیثیت سے کیا لیکن باغی و سرکش طبیعت کو ملازمت راس نہ آئی۔ وہ اس وقت کی آندھرا پردیش قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے ممبر بھی رہے اور مزدور تحریکوں کے سرگرم ممبر کی حیثیت سے روس، چین اور یورپ کا دورہ بھی کیا۔ کسی بھی اردو شاعر کے لیے ان کی محنت اور محبت کی بھرپور زندگی باعث رشک ہے۔ ملکوں ملکوں وہ محنت اور محبت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ کہا تھا:

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مخدوم نے کہا تھا کہ وہ ایک محرومِ فرصت انسان ہیں۔ مخدوم کا کلام بہت ہی مختصر ہے، لیکن انھیں جو بھی فرصت کے لمحات ملے وہ اردو شاعری اور ادب کے زندہ جاوید لمحات بن گئے۔ ان کی بعض غزلیں اور نظمیں 'راک ان رول' (Rock & Roll) کرتی نظر آتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

کمان ابروئے خُوباں کا بانکپن ہے غزل
عشق کے شعلے کو بھڑکاؤ کہ کچھ رات کٹے
کوہِ غم ، اور گراں اور گراں اور گراں
غم زدو تیشے کو چمکاؤ کہ کچھ رات کٹے

سابق صدرِ شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد پروفیسر زینت ساجدہ نے مخدوم کی شاعری اور آواز کے بارے میں لکھا ہے: ''اصل میں اس کی آواز میں جادو ہے، گہرائی، طرحداری اور خراد پر چڑھی ہوئی آواز ہے''۔ ایک اور جگہ لکھا ہے: ''مخدوم کے بیانِ رومان انقلاب سے فرار نہیں بلکہ اس کی پہلی سیڑھی ہے، محبت انسان کو بیدار کرتی ہے اور یہی بیداری اجتماعی شعور میں ڈھل جاتی ہے''۔ آنجہانی رانی اندرا دھنراج گیرجی مخدوم کو بہت عزیز رکھتی تھیں:

ہجومِ بادہ و گل میں ، ہجومِ یاراں میں
کسی نگاہ نے جھک کر مرے سلام لیے

ہندوپاک کے مشہور گلوکاروں نے بھی مخدوم کی غزلوں اور نظموں کو اپنی آواز عطا کی ہے۔ 1982 میں ریلیز ہوئی فلم 'بازار'، خیام کی موسیقی، طلعت عزیز اور لتا جی کی مسحور کُن اور جادوئی آوازیں ، ڈائریکٹر ساگر سرحدی کی ہدایت میں یہ گیت، فاروق شیخ اور سپریا پاٹھک پر خوب صورت انداز میں پھولوں اور کلیوں کے جھرمٹ میں فلمایا گیا تھا، جس کی زیادہ تر شوٹنگ حیدرآباد میں ہوئی تھی اور کہانی بھی حیدرآباد کے اس زمانے کے معاشرتی پس منظر سے تعلق رکھتی تھی۔ فلم ''بازار'' نے مخدوم کے اس گیت کو امر بنا دیا ہے:

پھر چھڑی رات، بات پھولوں کی
رات ہے، یا برات پھولوں کی
پھول کے ہار، پھول کے گجرے
شام پھولوں کی، رات پھولوں کی

یقیناً آپ نے ڈھولک کے گیت سنے ہوں گے۔ کیا آپ نے کبھی مخدوم کی نظم ''اک چمیلی کے منڈوے تلے دو بدن ...سنی ہے؟ زیادہ نہیں صرف دو تین دہائی پہلے کی بات ہے، اب نہ وہ چمیلی کے منڈوے ہی رہے، نہ وہ 'گلِ تر' اور نہ وہ ڈھول۔ ان کی جگہ بڑے بڑے فنکشن ہال کے وارانڈے، 'گلِ مُر' اور ڈی جے نے لے لی ہے۔ یہ گیت فلم

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

’چھا چھا چھا‘ پر چھا گیا تھا، جو1964 میں ریلیز ہوئی تھی۔ مخدوم کی اس نظم ’چارہ گر‘ کو محمد رفیع اور آشا بھونسلے کی سریلی آوازیں ملیں، جسے اقبال قریشی نے کمپوز کیا تھا:

اک چمیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دور، اس موڑ پر
دو بدن
پیار کی آگ میں جل گئے
پیار حرفِ وفا، پیار ان کا خدا
پیار ان کی چِتا
دو بدن...

مخدوم کا کلام بہت ہی مختصر ہے۔ ’سرخ سویرا‘، جو انقلابی نظموں کا مجموعہ ہے۔ بِساطِ رقص رومانس اور انقلاب کا ایک حسین امتزاج ہے، اور مخدوم کو اپنے ہم عصر شعرا میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ ’گُلِ تر‘، نرم، رومانوی اور جمالیاتی کے ساتھ ساتھ محبت، محنت، فطرت اور حسین خوابوں کی یادوں کی آئینہ دار ہے۔ مخدوم کا زیادہ تر کلام نظموں، گیت، چند اکلوتے اشعار اور صرف 22-18 غزلوں پر مشتمل ہے، مگر جو کہا وہ لاجواب کہا اور وہ بھی محنتوں اور محبتوں سے بھرپور شاعری کے ساتھ ساتھ۔ بقول جگر مرادآبادی:

ایک لفظِ محبت کا، ادنا یہ فسانہ ہے
سِمٹے تو دِل عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے

بیسویں صدی کے تین نامور شعرا پروین شاکر، فیض اور مخدوم کے کلام میں 3 چیزیں قدر مشترک نظر آتی ہیں۔ ’’محبت، محنت اور مصیبت‘‘۔
پروین کی ناکام محبت، طلاق اا ور تنہائی:

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بِکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کِدھر جائے گا

فیض کی آرزوے محبت! اور مہدی حسن کی سحر انگیز آواز اور دُھن میں یہ غزل غم زدہ دلوں میں زندہ دلی کی نئی روح پھونکتی ہے:

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

اور مخدوم کی اُمید افزا محبت:

نکہتِ یار سے آباد ہے ہر کُنجِ قفس
مل کے آئی ہے صبا، اس گُلِ تر سے پہلے
اِس اندھیرے میں اُجالوں کا گماں تک بھی نہ تھا
شعلہ رُو، شعلہ نوا، شعلہ نظر سے پہلے

مخدوم ضلع میدک کے ایک گاؤں اندول کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ 4 سال کی عمر میں ان کے والدِ محترم کا عین جوانی میں نتقال ہو گیا تھا، بعد میں ان کی ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ بعد ازاں ان کی پرورش ان کے چچا بشیرالدین صاحب کے زیرِ سایہ ہوئی تھی، جو بہت ہی نیک دل انسان تھے۔ ایک طویل عرصے تک مخدوم اپنی ماں کو دیکھ اور مل بھی نہ پائے تھے۔ لڑکپن سے ہی وہ ’محبت‘ کی تشنگی کو شاید جھیلتے رہے ہوں؟ شاید اسی لیے ان کی شاعری میں ’محبت ہی محبت اور محنت‘ نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر داؤد اشرف جامعہ عثمانیہ میں ایم اے (اردو) کے کورس میں مخدوم کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے مخدوم پر ایک مقالہ لکھا تھا جو کتابی شکل میں شائع ہوا تھا۔ مخدوم پر یہ ایک مستند اور جامع دستاویز ہے، جو 153 صفحات پر مشتمل ہے اور مخدوم کی ابتدائی زندگی سے لے کر تعلیم، کمیونزم اور شاعری تک کا احاطہ کرتی ہے۔ اردو ادب کے شائقین کے علاوہ اردو ادب کے طلبہ کو بھی چاہیے کہ مخدوم کے کلام کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کو بھی اپنے زیرِ مطالعہ لائیں۔

مخدوم محی الدین 25 اگست، 1969 کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کا انتقال دلّی میں ہوا تھا، جب وہ ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ بعد ازاں ان کی تدفین حیدرآباد کے شاہ خموش قبرستان میں ہوئی تھی۔ اپنے پیچھے محبت سے معمور ایسی شاعری چھوڑ گئے ہیں جو رہتی دنیا تک اردو ادب میں روشن ستاروں کی طرح چمکتی رہے گی۔ ان کے لوحِ مزار پر ان ہی کا یہ شعر کندہ ہے:

بزم سے دور وہ گاتا رہا، تنہا تنہا
سو گیا ساز پہ سر رکھ کے سحر سے پہلے

Jaweed Villa-Ground Floor, H. No. 12-2-419/A/3/1
Alapati Nagar, Mehdipatnam, Hyderabad, 500028
Mobile: 6309727951

ہائیکو گوئی اور ہائیکو کے اوزان

ایک خط ایک مضمون

ناوک حمزہ پوری/ڈاکٹر عطا عابدی

پچھلے دنوں اپنے کاغذات میں اردو زبان و ادب کی محترم شخصیت جناب ناوکؔ حمزہ پوری کا ایک پرانا خط (مرقومہ 25 اگست 1992) ملا۔ اُن دنوں میں ماہنامہ ’افکارِ ملّی‘ دہلی سے وابستہ تھا، لہٰذا وہیں مقیم تھا۔ اگرچہ یہ خط میری کچھ ہائیکو نظموں کے حوالے سے ہے لیکن ہائیکوگوئی کے فن کے تعلق سے آسان انداز میں رہنمائی کے پہلو رکھتا ہے، لہٰذا افادۂ عام کی غرض سے یہ خط/ مضمون یہاں پیش ہے۔

اطلاعاً تحریر ہے کہ محترم ناوک حمزہ پوری صاحب کئی سال سے طبیعت خراب ہے اور پڑھنے لکھنے سے تقریباً قاصر ہیں۔ کئی ماہ سے ان سے رابطہ نہیں ہوسکا ہے۔ قارئین سے دعا کی گزارش ہے۔

عطا عابدی

بسم اللہ

برادرِ عزیز، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

12 کو پٹنے گیا تھا۔ واپسی میں حمزہ پور ہوتا ہوا آج یہاں آیا۔ آپ کا کارڈ اور لفاف دونوں ملے۔

آپ دہلی میں ہیں۔ سیکڑوں رسائل نظر سے گزرتے ہوں گے۔ ہائیکو کے بارے میں اردو میں اتنی طوائف الملو کی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ نثری ہائیکو بھی چل رہی ہے، منظوم بھی۔ منظوم میں کہیں سلیبلز کا شمار فوقیت رکھتا ہے، کہیں عروضی ارکان کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ میں نے اس پر طویل مضمون لکھا تھا جو ’ایوانِ اردو‘ میں چھپا تھا اور میری معلومات کی حد تک اس قدر طویل مضمون ہائیکو کے تعلق سے ہندستان پاکستان کہیں نہیں لکھا گیا، اسی لیے نہ صرف ہندستان بلکہ پاکستان میں بھی اس مضمون کی گونج سنائی دی تھی۔ مضمون حمزہ پور میں ہے ورنہ اس کی زیراکس آپ کو بھیج دیتا۔ مختصراً یہ کہ میرے خیال میں ہائیکو کو نظم ہی ہونا چاہیے۔ اور سلیبلز کی شرط یعنی 5-7-5 کی شرط بھی پوری کرنی چاہیے۔ سلیبل کے بارے میں کرامت صاحب کی اس رائے سے متفق ہوں کہ خفیف اور طویل سلیبل بہرحال ایک سلیبل شمار ہونا چاہیے۔

اتنا وہ رویا/54321
انساں تو خیر انساں ہے/ 7654321
پتھر بھی پگھلا/54321

یہ تو ٹھیک ہے۔ اب دیکھیے:

وقت یوں محدود ہے/7654321

پہلے مصرعے ہی میں سات سلیبل ہوگئے۔ ایسے ہائیکو میں نے اور دوسرے شعرا نے بھی لکھے ہیں اور شمار کے لیے بطورِ اکائی سلیبل نہیں بلکہ عروضی ارکان کے سبب اور وتد کو اکائی مان لیتے ہیں۔

فاعلاتن فاعلن/54321
وق ت یوں مح دو دہے/54321

یوں اسے درست مان لیتے ہیں۔ آپ کو عروض میں کچھ نہ کچھ شد بد ہوگئی ہے یوں آپ خود جانچ پرکھ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کی یہ ہائیکو نظمیں اردو میں مروّجہ طرح طرح کی روش کے مطابق درست ہی کہی جائیں گی۔ یہاں یہ عرض کردوں کہ بطور تفنن طبع میں نے متعدد ہائیکو نظمیں نثری بھی لکھی تھیں۔ بعد میں انھیں رد کردیا۔۔۔

آپ کو اگر واقعی ہائیکوگوئی سے دلچسپی ہو تو درج ذیل ارکان کہنے کی کوشش کیجیے:

متفاعلن
متفاعلن فعلن
متفاعلن

یا:
فاعلاتن فع
فاعلاتن فاعلن
فاعلاتن فع

یا:
مفعولات فع
مفعولات مفعولن
مفعولات فع

یا:
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فع

یا:
مستفعلن فع
مستفعلن فعولن
مستفعلن فع

یا:
مفاعیلن فع
مفاعیلن فعولن
مفاعیلن فع

یا:
فعولن فعل
فعولن فعولن فع
فعولن فعل

یا:
فاعلن فعلن
فاعلن فاعلن فع
فاعلن فعلن

ان اوزان پر ہائیکو کہنے سے سلیبلز کا شمار بھی مجروح نہ ہوگا اور عروضی طور پر بھی ان کی کوئی گرفت نہیں کرسکتا۔ خدا کرے یہ آپ کو مطمئن کرسکے۔

والسلام، فقیر دعا گو
ناوک حمزہ پوری
25 اگست 1992

دوسری اور آخری قسط

اُردو ادب میں سرقے کی بدترین مثال

جاسوسی ادب کے معمار ابنِ صفی کی مظلومیت کی داستان

محمد عارف اقبال

ادب میں سرقہ (plagiarism) ایک اہم موضوع ہے اور بعض اوقات بڑے ادیبوں اور شاعروں کے کسی فقرے یا اقتباس پر بھی سرقے کا الزام عاید کیا جاتا رہا ہے۔ زندگی کے جملہ شعبۂ حیات میں چور موجود رہے ہیں اور ادب میں بھی چوروں کی کمی نہیں۔ تاہم ادب میں سرقہ اسی کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے جس کا ارتکاب دانستہ طور پر کیا گیا ہو۔ کسی کے افسانے کو اپنے نام سے چھپوانا یا کسی مردہ ادیب یا غیر معروف شاعر کے دیوان کو کسی کا اپنے نام سے چھپوا لینا یقیناً ایک قبیح فعل ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہیے۔ تاہم ایک وقتِ خاص میں ممکن ہے کہ ایک سے زائد ادیبوں اور دانشوروں کے ذہن وقلب میں کسی خیال کی آمد ہو سکتی ہے اور ایک ہی بات اپنے اپنے ڈھنگ سے ایک سے زائد ادیبوں کی تحریروں میں آسکتی ہے، ایسی صورت میں فی الفور اسے سرقہ کے زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ادبی سرقہ کے لیے سرقے کی واضح علامات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس طرح نیک نیتی کے ساتھ کسی عظیم ادیب کے شہ پارے کو تنقیدی نوٹ کے ساتھ شائع کرنا بھی سرقہ نہیں ہے کیوں کہ یہ کام اس عظیم ادیب کے فن اور ادبی کارنامے کو اُجاگر کرنے کے لیے انجام دیا جاتا ہے۔ اس ذیل میں غالب، اقبال، ڈپٹی نذیر احمد، سرسیّد، حالی، پریم چند اور منٹو وغیرہ کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

اردو دنیا میں ابنِ صفی کی غیر معمولی ادبی خدمات کو بعض ادیب اور نقاد مخصوص عصبیت کے سبب ادب کا درجہ نہ دیتے ہوں لیکن یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ان کے ناولوں کے قارئین میں ادیب، نقاد، پروفیسر، شاعر، صحافی، سیاست داں، ڈاکٹر، انجینئر، محقق و اساتذہ سبھی شامل تھے۔ یونیورسٹیوں کے بعض نقاد پروفیسر بھی ابنِ صفی کے ناولوں کے رسیا رہے۔ اس تصویر کا دوسرا رخ یا المیہ یہ ہے کہ اردو ادب میں اس بے حسی کی مثال نہیں ملتی کہ ابنِ صفی جیسے بلند پایہ ادیب و شاعر کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا۔ ابنِ صفی سے غیر معمولی استفادہ کرنے والے ادیب و نقاد نے بھی مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا اور کانپور کے درویش خاں کی ادبی دہشت گردی پر کسی ادیب، نقاد یا یونیورسٹی کے پروفیسر کو توفیق نہ ہوئی کہ اس کا محاسبہ کرتے۔ دوسری طرف اردو زبان و ادب کو گھنا اور تناور درخت بنانے والے ادیب ابنِ صفی کو ادبی صحرا میں یکہ وتنہا چھوڑ دیا گیا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اردو ادب کی تخلیق کی نذر تھا۔

اب دوسری طرف یہ بھی ملاحظہ کیجیے کہ ’گھر کا بھیدی‘ ناول کی اشاعت کرنے والے نے ابنِ صفی کی ’معصوم محبت‘ کا کس طرح فائدہ اٹھایا۔ پہلا کام تو یہ کیا کہ ہندستانی معاشرے کے لیے ابنِ صفی کے ناولوں کے ہندی ایڈیشن شائع کرنے کا آغاز کیا گیا۔ یہاں تک تو معاملہ ٹھیک ہے لیکن ’نکہت پبلی کیشنز‘ کے ناشر نے ظلم یہ کیا کہ ابنِ صفی کے لافانی کرداروں کے نام اس طرح تبدیل کیے کہ ان کا مذہب بھی تبدیل ہوگیا۔ مثلاً کرنل فریدی (کرنل وِنود)، عمران (راجیش)، کیپٹن فیاض (کیپٹن ملکھان)، رحمٰن صاحب (راکیش بہاری)، ایکس ٹو کو پوَن، ظفر الملک (کمل کانت)، عمران کی بہن ثریّا کو ’نیتا‘ وغیرہ۔ تصور کیجیے کہ جن کرداروں کا ابنِ صفی نے خاندانی اور تاریخی پس منظر بھی بیان کیا ہے، اگر انھیں مسلم سے ’ہندو‘ بنا دیا جائے تو کیا اس حرکت کو ’ظلمِ عظیم‘ نہیں کہا جائے گا۔ اردو فکشن کی تاریخ میں اس طرح کی ادبی بددیانتی کی دوسری مثال شاید نہیں مل سکتی[۳]۔ نکہت پبلی کیشنز الہٰ آباد نے ’جاسوسی دنیا‘ اور ’عمران سیریز‘ کے تمام ناولوں کو ہندی میں شائع کر کے دونوں ہاتھوں سے پیسے بٹورے۔ اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ ہندی میں درجنوں لکھنے والوں نے ’کرنل ونود‘ اور ’راجیش‘ کے کرداروں پر ناول لکھے۔ ان میں ’وید پرکاش کمبوج‘ کا نام نمایاں ہے جس کے ناول ریلوے بک اسٹالوں پر لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوتے تھے۔

اب آیئے اُس شرمناک واقعے کی طرف جب نکہت پبلی کیشنز الہٰ آباد نے ابنِ صفی کے نام سے دو ناول (نمبر شمار کے لحاظ سے 174 اور 175) اپریل اور مئی 1971 میں شائع کیے۔ اول ’سائے کا قتل‘ دوم ’روشنی کی آواز‘۔

عباس حسینی نے ابنِ صفی کے کرداروں پر لکھے جانے والے جعلی پبلشرز کے خلاف مقدمے قائم کیے۔ خاص طور سے ’ڈیڑھ متوالے‘ کے کیس میں انھوں نے کانپور کے پبلشرز کے خلاف زوردار مہم چلائی تھی۔ لیکن اپریل، مئی 1971 میں عباس حسینی کی ابنِ صفی سے دوستی کا بھرم ٹوٹ گیا۔ ایک جرم کا ارتکاب وہ مسلسل کر رہے تھے کہ ابنِ صفی کے ناولوں کے کرداروں کا مذہب تبدیل کر کے ہندی میں شائع کر رہے تھے۔ پھر 1971[۴] میں عباس حسینی نے دو ایسے ناول ابنِ صفی کے نام سے شائع کیے جن کے مصنف ابنِ صفی نہیں تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں ناول ’ابن سعید‘ سے لکھوائے گئے تھے۔ حالاں کہ عباس حسینی کے بارے میں ابنِ صفی نے بڑے خلوص سے ’ڈیڑھ متوالے‘ کے پیش رس میں لکھا تھا: ”... ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ پر قربان کر سکتا ہوں (بشرطیکہ کسی بات پر جھینپ کر مسکرائے ہوں)۔“

برِّصغیر نہیں بلکہ برِعظیم کے اردو ادب کی تاریخ میں اسے معمّا ہی سمجھا جائے گا کہ دو گھرانے اور دو دوست کے مابین قربت کا یہ حال تھا کہ ابنِ صفی ہندستان کے ایک پڑوسی ملک پاکستان سے اپنے ناول کے تمام مسودے تاحیات بلامعاوضہ اپنے ’دوست‘ عباس حسینی کو ارسال کرتے رہے اور عباس حسینی انھیں چھاپ کر نہال ہوتے رہے۔ لیکن ابنِ صفی اس بات سے بھی ناواقف رہے کہ ان کے نام سے اسی موقر ادارے سے دو جعلی ناول ’سائے کا قتل‘ اور ’روشنی کی آواز‘ بھی شائع ہوئے تھے۔ ساتھ ہی ان کے تخلیق کردہ لافانی کرداروں کی ہندی زبان میں مٹّی پلید کی جاتی رہی[۵]۔ حرص و ہوس کی یہ داستان انتہائی تکلیف دہ ہے اور ’دوستی‘ کے نام پر ایک بدنما داغ بھی۔

بالآخر ہزاروں اشعار کا خالق، ڈھائی سو سے زیادہ ناولوں کا مصنف اور درجنوں طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا انشاپرداز صرف 52 برس کی عمر میں بڑی خاموشی سے اس دارِفانی سے رخصت ہوگیا جس کا قول تھا:

”قرآن کو پڑھو، اس پر عمل کرو... اسے علم الکلام کا اکھاڑا نہ بناؤ۔“ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ آمین!

حواشی:

۱ واضح ہو کہ جناب مشتاق احمد قریشی، ابنِ صفی کے واحد شاگرد اور دوست ہیں جن کو عمران کے کردار پر ناول لکھنے کی ابنِ صفی نے خود اجازت دی۔ (ع۔ا۔)

۲ ’صلوٰات‘ کا ربط خاص ’صلوات بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘ سے ہے اس لیے ابنِ صفی احتراماً اس لفظ کو برا بھلا کہنے کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے تھے اور جب استعمال ناگزیر ہو جاتا تو اسے ’س‘ سے لکھتے تھے۔

۳ مضمون ’عالمی ادب کی نمائندہ تحریریں‘ از محمد عارف اقبال، کتاب ’ابنِ صفی کا ادبی نصب العین: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ‘ (اشاعتِ اوّل 2018)، صفحات 191 تا 196۔

۴ 1971 میں مشرقی پاکستان کو الگ کر کے ایک نئے ملک ’بنگلہ دیش‘ کی بنیاد شیخ مجیب الرحمٰن نے رکھی تھی۔ یہ سال پاکستان کے لیے سخت آزمائشی تھا۔

۵ دیکھیے راقم کا مضمون ابنِ صفی کے نام سے شائع ہونے والے دو جعلی ناول ’سائے کا قتل‘ اور ’روشنی کی آواز‘ صفحات 106 تا 112، کتاب، ابنِ صفی کا ادبی نصب العین: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، اشاعتِ اول 2018۔

Editor, Urdu Book Review
1739/104, First Floor, M.P. Street, PataudiHouse,
Darya Ganj, NewDelhi-110002
Mobile: 9953630788
E-mail: urdubookreview@gmail.com

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت:300روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت:500روپے

اردو دُنیا

ضلع اردو زبان سیل سے مدھوبنی کو ملی نئی شناخت

مدھوبنی (یکم فروری)۔ یہ دن ضلع اردو زبان سیل مدھوبنی کے لیے تاریخی اور یادگار حیثیت کا حامل ہے کہ اسے بالآخر مستقل دفتر حاصل ہوگیا، یہ حصولیابی صرف انتظامی کامیابی نہیں بلکہ ضلع سطح پر اردو زبان کے وقار، شناخت اور اس کی آئینی حیثیت کے اعتراف کی روشن علامت ہے۔ یہ کامیابی اس حقیقت کا بھی اظہار ہے کہ اردو بہار کی دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے صرف فائلوں یا کاغذی اعلانات تک محدود نہیں ہے بلکہ سرکاری نظم ونسق کا ایک فعال حصہ ہے۔ اس نئی شناخت کے پس منظر میں جن کی مسلسل محنت، صبر آزما جدو جہد اور خلوص نمایاں ہے، ان میں جناب معراج احمد انچارج افسر ضلع اردو زبان سیل مدھوبنی کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ مدھوبنی میں بحیثیت انچارج افسر تقرری کے بعد سے ہی انھوں نے اردو زبان سیل کے لیے مستقل دفتر کے حصول کو اپنی ترجیحات میں شامل کرلیا۔ اعلا حکام سے مسلسل رابطہ، فائلوں کی باقاعدہ پیروی اور عملی سطح پر کی گئی کاوشیں ان کی سنجیدگی اور عزم کی روشن دلیل ہیں۔ یہ کامیابی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انھوں نے نہایت تدبر، انتظامی بصیرت اور ذمے دارانہ رویے کے ساتھ نہ صرف اردو زبان سیل کو فعال بنایا بلکہ اسے ایک مستحکم شناخت بھی عطا کی۔ انچارج افسر نے اردو زبان کے فروغ کے سلسلے میں وزیرِ اعلا نتیش کمار حکومتِ بہار، اردو ڈائرکٹوریٹ (محکمۂ کابینہ سکریٹریٹ حکومتِ بہار) اور ضلع انتظامیہ مدھوبنی کے تمام عملے کی سنجیدہ اور مخلصانہ کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کیا، بالخصوص ضلع مجسٹریٹ جناب آنند شرما اور ایڈیشنل کلکٹر جناب مکیش رنجن کی دلچسپی اور تعاون پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ مستقبل میں بھی حکومتِ بہار کے فروغِ اردو سے متعلق منصوبوں کو زمینی سطح پر موثر طور پر نافذ کرنے میں ان سب کا تعاون قدم بہ قدم حاصل ہوتا رہے گا۔

اس موقعے پر انچارج جناب معراج احمد نے اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اردو ڈائرکٹوریٹ محکمۂ کابینہ سکریٹریٹ حکومتِ بہار کے واضح احکامات کے مطابق اردو ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے، اس حیثیت سے اردو زبان سیل کی ذمے داریوں میں اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے موثر اقدامات کے ساتھ ساتھ سرکاری نوٹس، احکامات اور خطوط کا اردو ترجمہ، اردو زبان و ادب سے متعلق رہنمائی، علاقائی اردو ادبا و شعرا کی تخلیقات کو قارئین تک پہنچانا، طلبہ و طالبات میں مسابقتی جستجو پیدا کرنا اور اردو کے نفاذ سے متعلق شکایات کا ازالہ شامل ہے۔ اب اردو زبان سیل کو اپنا مستقل دفتر حاصل ہوگیا ہے۔ اردو داں برادری بلا کسی دقت کے اپنے روزمرہ کے سرکاری امور اردو میں انجام دینے کے لیے اردو میں درخواست دیں۔ اردو زبان سیل ان کی مراسلت کو متعلقہ دفاتر تک پہنچا کر ان کے کام کی بروقت تکمیل میں موثر معاونت فراہم کرے گا۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

گلشنِ اطفال اردو اسکول میں 'قومی ستارے' کی تقسیم

گلبرگہ (30 جنوری)۔ نکہت فاطمہ صدر معلّمہ ہیومن اچ گلشن اطفال اردو ہائی اسکول گلبرگہ کی اطلاع کے مطابق احاطہ گلشنِ اطفال اردو اسکول گلبرگہ میں ملک کے معروف اردو قلم کار ڈاکٹر انیس صدیقی نے اپنی سالگرہ کے پُرمسرت موقعے پر اپنے ہاتھوں سے جواں سال ادیب ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی کی مرکزی ساہتیہ اکادمی نئی دہلی بال ساہتیہ پرسکار انعام یافتہ کتاب 'قومی ستارے' (بڑوں کی کہانیاں بچوں کے لیے) کے 30 نسخے ہیومن اچ گلشن اطفال اردو ہائی اسکول گلبرگہ کی جماعت نہم و دہم کے 30 منتخب طلبہ کو تحفہ خلوص کے طور پر پیش کیے۔ تقریب کی ابتدا بشریٰ فاطمہ (جماعت دہم) کی قرأتِ کلامِ پاک سے ہوئی۔ محمد مجتبیٰ (جماعت دہم) نے نعت رسول کا نذرانہ پیش کیا۔

جناب محمد اطہر بابا (سکریٹری) نے گلشن اطفال کی جانب سے ڈاکٹر انیس صدیقی کو یومِ پیدائش کے لیے اور ڈاکٹر غضنفر اقبال کو بال ساہتیہ پُرسکار سے سرفراز کیے جانے پر تہنیت پیش کی۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نے اپنی تحریر کردہ کتاب 'قومی ستارے' کی افادیت سے طلبہ کو واقف کرایا۔ نظامت کے فرائض محترمہ حمیرا بیگم (اردو معلّمہ) نے بہ حسن وخوبی انجام دیے۔

دہلی یونیورسٹی میں فارسی لکچر سیریز کے تحت 45واں علمی لکچر منعقد

نئی دہلی (28 جنوری)۔ شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی میں پرشین لکچر سیریز کے تحت پینتالیسواں لکچر نہایت وقار اور علمی شان کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس موقعے پر ممتاز مورخ، ماہر مغلیہ تاریخ اور سابق صدرِ شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، پروفیسر گلفشاں خاں نے بحیثیت خطیب 'شاہجہان آباد کی تاریخ اور تعمیرات: پادشاہ نامہ کے حوالے سے' کے موضوع پر بصیرت افروز اور فکر انگیز خطاب کیا۔ اپنے لکچر میں پروفیسر گلفشاں خاں نے شہنشاہ شاہجہاں کی جمالیاتی حس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ شاہجہاں کو فطرت، خصوصاً پھولوں سے گہری محبت تھی، جس کا عکس اس کے عہد کی تعمیرات میں جا بجا نظر آتا ہے۔ انھوں نے پادشاہ نامہ کے حوالے سے دریاے جمنا کے نقشے اور اس کی منظرنگاری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس عہد کے مورخین اور مصوروں نے قدرتی مناظر کو غیر معمولی حسن کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ خطاب کے دوران لال قلعہ، فتح پوری مسجد، اکبرآبادی مسجد، جہاں نما (جو آج جامع مسجد کے نام سے معروف ہے) کی تعمیراتی خصوصیات، تاریخی اہمیت اور تہذیبی معنویت پر تفصیلی گفتگو کی۔ مزید برآں، مقررہ نے مغل دور کی نایاب تصاویر اور پینٹنگز بھی پیش کیں جو انھوں نے مختلف عالمی میوزیم اور نادر کتب خانوں سے تحقیق کے دوران حاصل کی تھیں، جس سے لکچر کی افادیت اور دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اس علمی نشست کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن (اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی) نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے، جب کہ صدارت ڈاکٹر مہتاب جہاں (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی) نے کی۔ اپنے صدارتی خطاب میں انھوں نے دہلی کے قدیم اور تاریخی ناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ مختلف ادوار میں دہلی کن کن ناموں سے جانی جاتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہجہان آباد کے قیام کے تاریخی، سیاسی اور تہذیبی اسباب پر بھی نہایت سنجیدہ اور مدلل گفتگو کی۔ اس موقعے پر پروفیسر بلقیس فاطمہ حسینی اور ڈاکٹر علی اکبر شاہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر علی اکبر شاہ نے موضوع سے متعلق بعض اہم تاریخی نکات کی وضاحت کرتے ہوئے لکچر کو مزید تقویت بخشی۔ پروگرام کے اختتام پر ہدیۂ تشکر کے لیے ڈاکٹر زین العابدین کو مدعو کیا گیا جنھوں نے نہایت پُراثر انداز میں مہمانِ خصوصی، معزز مقرر اور تمام حاضرینِ مجلس کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے بالخصوص صدرِ شعبۂ فارسی اور سینئر پروفیسر ڈاکٹر علیم اشرف خاں کا شکریہ ادا کیا جو اپنی علمی و ادبی مصروفیات کے باعث پروگرام میں شرکت نہ کرسکے۔ اس علمی پروگرام میں ذاکر حسین دہلی کالج سے ڈاکٹر ملک سلیم جاوید، ڈاکٹر عمران چودھری، ڈاکٹر ابرار علی شاہ، شعبۂ اردو کروڑی مل کالج سے پروفیسر امتیاز علی اور شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر مختار احمد، ڈاکٹر سنیتا کماری، ڈاکٹر پون کمار، ڈاکٹر محمد شہباز اور ڈاکٹر عرفان عسکری نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ دہلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ فارسی، تاریخ، اردو اور عربی سے تعلق رکھنے والے طلبہ و طالبات کی بڑی تعداد نے اس علمی و تحقیقی نشست میں شرکت کرکے اسے کامیاب بنایا۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

دیال سنگھ کالج میں شعبۂ اردو کے زیرِ اہتمام مقالہ خوانی

نئی دہلی (31 جنوری)۔ دیال سنگھ کالج (دہلی یونیورسٹی) کے شعبۂ اُردو اور اردو سوسائٹی کی جانب سے مقالہ خوانی کا پروگرام منعقد کیا گیا۔ پروگرام کی صدارت ڈاکٹر ابوظہیر ربانی نے کی۔ انھوں نے مضمون نگاری کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور طلبہ وطالبات کو نصیحت کی کہ وہ تحقیق اور تنقید کی صلاحیتیں پیدا کریں اور سب سے زیادہ زبان اردو لب و لہجے پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ پروگرام کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر محمد ارشد ندوی نے کہا کہ شعبے کے سترہ طلبہ و طالبات نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو قابلِ مبارک باد ہے۔ مضمون نگاری وقت کا اہم تقاضا ہے اور اہلِ علم و ادب کے لیے عالمانہ بصیرت اور نئے نظریات و تجربات کو جنم دیتی ہے۔ ڈاکٹر محمد انعام الحق نے طلبہ کو ہدایت کی کہ وہ اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تاکہ مستقبل میں یہ طریقِ کار ان کے کام آئے۔ ڈاکٹر سرفراز جاوید نے کہا کہ یہ اسٹیج طلبہ کے لیے سجایا گیا ہے اور سب نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ آخر میں ڈاکٹر محمد طالب نے تمام مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مضمون نگاری ایک ایسا فن ہے جو انسان کو اپنی بات سلیقے اور ترتیب کے ساتھ کہنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور اس سے فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ مقالے پیش کرنے والے طلبہ میں سالِ سوم سے طوبیٰ، سارہ، محمد فیصل، نسیمہ، زیبا رحمان اور ثنا شامل تھے۔ سالِ دوم کے طلبہ میں محمد ناہید، یاسمین، تلبینہ اور روبی، جب کہ سالِ اول سے نشاط، سہانا، سعدیہ توقیر، ثانیہ خانم، محمد خلیل اور نغمہ پروین نے مقالے پیش کیے۔ اول پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ میں سالِ اول کے محمد خلیل، سالِ دوم کی تلبینہ منعم اور طوبیٰ، سالِ سوم کی روبی اور نشاط شامل ہیں۔ حوصلہ افزا انعام کے لیے نسیمہ اور سہانا کو منتخب کیا گیا۔ پروگرام کے آخر میں تمام طلبہ کو سرٹیفکیٹس سے نوازا گیا۔ نظامت طوبیٰ اور محمد خلیل نے کی۔ پروگرام کو کامیاب بنانے میں امان سیفی، محمد مظاہر، محمد فیصل، صابر، نسیمہ، طوبیٰ، محمد خلیل، عبدالرحیم، محمد ناہید وغیرہ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر پر تحقیقی مجموعے کا اردو اکادمی لکھنؤ میں اجرا

لکھنؤ (31 جنوری)۔ مولانا عبدالحلیم شررؔ کی ادبی، فکری، تاریخی اور تہذیبی خدمات پر مبنی تحقیقی مجموعہ 'مولانا عبدالحلیم شررؔ: تہذیب، تاریخ اور تخیل کے ترجمان' کا اجرا اتر پردیش اردو اکادمی میں عمل میں آیا۔ اس موقعے پر اکادمی کے سکریٹری شوکت علی نے دیگر ذمے داران کے ساتھ کتاب کا اجرا کیا۔ یہ تحقیقی مجموعہ محمد ذوالفقار ندوی (جنرل سکریٹری، عائشہ افضال ایجوکیشنل سوسائٹی) کی ترتیب وتدوین میں منعقد علمی سمینار میں پیش کیے گئے تحقیقی مقالات پر مشتمل ہیں۔ تقریب میں اردو اکادمی کے سپرنٹنڈنٹ ممتاز احمد ندوی، پروفیسر مولانا ذکی نور عظیم ندوی، معراج الحسن ندوی سمیت متعدد علمی وادبی شخصیات موجود تھیں۔ اس موقعے پر اردو زبان وادب کی ترویج وترقی میں نمایاں خدمات کے اعتراف میں عائشہ افضال ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے شوکت علی کو 'عبدالحلیم شررؔ ایوارڈ براے ترویج وترقیِ اردو زبان وادب' سے نوازا گیا۔ واضح رہے کہ وہ 17 جنوری کو منعقدہ سمینار میں مصروفیات کے باعث شریک نہیں ہوسکے تھے، اس لیے ایوارڈ کی اس تقریب میں پیش کیا گیا۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

اردو: ثقافت، بھائی چارے اور ادبی ورثے کی زبان

نالندہ (31 جنوری)۔ نالندہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کے ٹاؤن ہال میں ایک عظیم الشان ضلع سطح کا 'فروغِ اردو' ورکشاپ، سمینار اور مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا افتتاح نالندہ کے ضلع مجسٹریٹ کندن کمار اور ایس. ایم. پرویز عالم (ڈائرکٹر اردو ڈائرکٹوریٹ، کابینہ سکریٹریٹ ڈپارٹمنٹ، بہار، پٹنہ) نے مشترکہ طور پر چراغ جلا کر کیا۔

پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے ضلع مجسٹریٹ کندن کمار نے کہا کہ اردو زبان کو ریاستِ بہار میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے جو اس کی تاریخی، ثقافتی اور ادبی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان نے ملک اور ریاست کی مشترکہ ثقافت کو تقویت دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو صرف ایک زبان نہیں بلکہ ثقافت، بھائی چارے اور ادبی ورثے کی علامت ہے۔ انتظامیہ اس کے تحفظ، ترویج اور تبلیغ میں ہمیشہ تعاون کرے گا۔

اس موقعے پر ایس ایم پرویز عالم نے اپنے خطاب میں کہا کہ بہار حکومت اردو زبان کی ترقی اور ترویج کے لیے پوری طرح پُرعزم ہے۔ انھوں نے وضاحت کی کہ ریاستی حکومت اردو کی تعلیم، ادب، تحقیق اور ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مسلسل اسکیمیں نافذ کر رہی ہے تاکہ نئی نسل اردو زبان سے جڑ سکے۔

پروگرام کے دوران منعقدہ سمینار اور مشاعرے میں ضلع کے ممتاز اردو ادیبوں، شاعروں اور زبان سے محبت کرنے والوں نے شرکت کی۔ مقررین نے اردو زبان کے تاریخی پس منظر، اس کی ترقی کے سفر اور عصری مناسبت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مشاعرے میں پیش کیے گئے اشعار سے سامعین محظوظ ہوئے۔

ورکشاپ میں اردو زبان کے فروغ، اس کی تعلیمی ترقی اور معاشرے میں اس کی افادیت پر بھی بات کی گئی۔ اس موقعے پر ایڈیشنل کلکٹر نالندہ، اسٹیبلشمنٹ ڈپٹی کلکٹر، سینئر ڈپٹی کلکٹر، شگفتہ پروین، ڈسٹرکٹ پلاننگ آفیسر، انچارج آفیسر، ضلع اردو سیل اور دیگر موجود تھے۔ (سچ کی آواز۔ دہلی)

اینگلو عربک پرائمری اسکول ترکمان گیٹ میں سالانہ جلسہ و تقریبِ تقسیم انعامات

نئی دہلی (یکم فروری)۔ اینگلو عربک پرائمری اسکول ترکمان گیٹ کا سالانہ جلسہ اپنی روایتی شان وشوکت کے ساتھ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی میں یکم فروری کو صبح 9:30 بجے منعقد ہوا۔ جلسے کا آغاز اسکول کی پرنسپل محترمہ سلطانہ نے کیا۔ اس جلسے میں اسکول کے 260 طلبہ وطالبات نے اپنی شاندار کارکردگی کے جوہر دکھائے۔ اس پروگرام میں درجہ نرسری سے پنجم تک کے بچوں نے تلاوتِ کلام پاک، حمد، نعتیں، نظمیں، انگریزی اور اردو میں تقاریر، ڈرامے، فینسی لباس زیب تن کر کے مشاعرے اور قوالی جیسے پروگراموں میں حصہ لیا۔ پروگرام کے مہمانِ خصوصی سراج الدین قریشی (چیئرمین کم مینجنگ ڈائرکٹر آف ہند گروپ آف انڈسٹریز) تھے۔ انھوں نے بچوں کی پیش کش کو سراہتے ہوئے کہا کہ والدین اور اساتذہ بچوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچان کر انھیں نکھاریں اور ان میں خود اعتمادی پیدا کریں۔ مہمانِ خصوصی اور سوسائٹی کے ممبران نے تعلیمی سال 2025 میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات، نیز آج کے جلسے میں بہترین کارکردگی کے لیے اول، دوم اور سوم انعامات اور ان کے علاوہ مختلف درجات کے طلبہ وطالبات میں 17 توصیفی انعامات تقسیم کیے۔ اس کے علاوہ رواں سال اسکول کی انتظامیہ کمیٹی اور پرنسپل نے بچوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے لیے توصیفی ایوارڈ کا بھی آغاز کیا۔ اسکول کے صدر اور مینجنگ کمیٹی نے پروگرام کے لیے اپنی نیک خواہشات اور دعائیں دیں۔ منیجر پروفیسر مظہر احمد نے مہمانوں، پرنسپل اور جملہ اسٹاف کا شکریہ ادا کیا۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کی جانب سے تین روزہ عالمی اردو کانفرنس کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ وزیراعظم میوزیم، تین مورتی مارگ، دہلی میں قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی جانب سے منعقد کیے جانے والے تین روزہ عالمی اردو کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ کثیر لسانی ہندستان میں اردو زبان وتہذیب' کے عنوان سے منعقد اس کانفرنس کا افتتاح شمع روشن کر کے کیا گیا۔ اس موقعے پر جناب ایم۔ جے۔ اکبر (معروف صحافی وسابق وزیرِ مملکت برائے امور خارجہ، حکومت ہند)، پروفیسر طارق منصور (رکن لیجسلیٹو کونسل، اتر پردیش وسابق وائس چانسلر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، پروفیسر سید عین الحسن (وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد) ومحترمہ کامنا پرساد (بانی جشن بہار ٹرسٹ) موجود تھے۔

قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے شال پوشی و مومنٹو کے ذریعے تمام مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور استقبالیہ کلمات پیش کیے۔

مہمان اعزازی کامنا پرساد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کثیر لسانی ہندستان کے منظر نامے پر روشنی ڈالی۔

دوسرے مہمانِ اعزازی پروفیسر سید عین الحسن (وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد) نے اردو زبان کی کشادہ قلبی اور دوست نوازی پر اظہار خیال کیا اور دیگر زبانوں کے ساتھ اردو کے خوب صورت میل جول پر گفتگو کی۔

مہمانِ ذی وقار پروفیسر طارق منصور نے عالمی اردو کانفرنس کے انعقاد کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر شمس اقبال کو مبارکباد پیش کی۔

مہمانِ خصوصی جناب ایم۔ جے۔ اکبر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان میں نے اپنی ماں سے سیکھی۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جو صرف محبت سے نہیں آتی بلکہ اس کے لیے جنون چاہیے۔ اس موقعے پر قومی اردو کونسل کی مطبوعہ کتاب 'وک ست بھارت کا وژن اور اردو زبان' کا اجرا بھی کیا گیا۔ اس افتتاحی سیشن کی نظامت ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن (کنوینر، خسرو فاؤنڈیشن، نئی دہلی) نے اور شکریے کی رسم ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر، اکیڈمک، این سی پی یو ایل) نے انجام دی۔ تقریب کا اختتام راشٹرگان پر ہوا۔

افتتاحی سیشن کے بعد ایم اے انصاری آڈیٹوریم (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) میں 'ہیومر باز' کے عنوان سے ایک مزاحیہ ثقافتی تقریب منعقد کی گئی، جس میں معروف اداکار اور کامیڈین جناب رحمان خان نے اپنے رفقا کے ساتھ فن کاری کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر جاوید حسن نے اس پروگرام کا تعارف پیش کیا۔

عالمی اردو کانفرنس بہ عنوان 'کثیر لسانی ہندستان میں اردو زبان و تہذیب' کے موضوع پر انڈیا انٹرنیشنل سینٹر نئی دہلی میں تین تکنیکی سیشنز منعقد ہوئے۔ پہلے تکنیکی سیشن میں بہ حیثیت صدور پروفیسر امتیاز حسنین اور پروفیسر چندر شیکھر شامل ہوئے، جب کہ محترم جانکی پرساد شرما، پروفیسر محمد قطب الدین، پروفیسر رضوان احمد، ڈاکٹر کے پی شمس الدین اور جناب فیروز احمد بحیثیت مقالہ نگار شریک ہوئے۔ اس سیشن کی نظامت ڈاکٹر عبدالرزاق زیادی نے کی۔ پروفیسر امتیاز حسنین نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ جنون نے ہی اردو کو کوسموپولیٹن زبان بنایا۔ اردو نے دیگر زبانوں پر اپنے اثرات مرتب کیے اور ان کے مصنّفین نے دیگر زبانوں اور تہذیبوں کو بھی متاثر کیا۔ بالخصوص شبلی کی 'شعر العجم' اور سید سلیمان ندوی کی تصانیف گہرے طور پر اثر انداز ہوئیں۔ پروفیسر چندر شیکھر نے صدارتی تقریر میں زبان وادب کے مابین رشتے پر گفتگو کی۔ محترم جانکی پرساد شرما نے 'اردو اور ہندی: باہمی اثر پذیری اور اثر انگیزی' پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی کسی بھی زبان کا رسمِ خط اپنے آپ میں مکمل نہیں ہے۔ اس بابت انھوں نے زبانوں کے باہمی رشتوں پر دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ پروفیسر محمد قطب الدین، پروفیسر رضوان احمد، جناب کے. پی. شمس الدین اور جناب فیروز احمد نے مقالے پیش کیے۔

دوسرے تکنیکی سیشن کی صدارت پروفیسر مظفر علی شہ میری نے کی۔ جب کہ مقالہ نگاران میں پروفیسر احمد محفوظ، پروفیسر اخلاق احمد آہن، پروفیسر وبھا شرما، ڈاکٹر نسیم احمد نسیم، محترم مامیا کینسا شامل ہوئے۔ اس سیشن کی نظامت جناب مالک اشتر نے کی۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

طائف میں کتب وقارئین میلہ اختتام پذیر

تیسرے اڈیشن میں تین لاکھ 70 ہزار شرکا کی آمد

ریاض (18 جنوری)۔ سعودی عرب میں ادب، اشاعت اور ترجمہ اتھارٹی نے طائف گورنری میں کتب وقارئین میلے کے تیسرے اڈیشن کی سرگرمیاں کامیابی سے مکمل کرلیں۔ سات روز تک جاری رہنے والا یہ میلہ ثقافتی اور تفریحی سرگرمیوں سے بھرپور رہا۔ یہ میلہ 15-9 جنوری 2026 تک الرؤف پارک میں 'آپ کی آمد ہمارا اثاثہ' کے عنوان سے منعقد کیا گیا۔

اتھارٹی کے سی ای او ڈاکٹر عبداللطیف الواصل نے بتایا کہ میلے نے ہر سطح پر شاندار کامیابی حاصل کی۔ میلے میں شریک ہونے والوں کی تعداد تین لاکھ ستّر ہزار سے تجاوز کرگئی جو مملکت کے بڑے ثقافتی پروگراموں میں اس کے مقام کو مزید مستحکم کرتی ہے۔ ڈاکٹر الواصل نے وضاحت کی کہ یہ میلہ اتھارٹی کی ان کوششوں کا حصہ ہے جس کا مقصد ادب کو روزمرہ زندگی کا جزو بنانا ہے۔ یہ میلہ طائف جیسے قدیم ادبی ورثہ رکھنے والے شہر میں ایک مکمل ثقافتی تجربہ فراہم کر کے منعقد کیا جارہا ہے۔ یہ میلہ سعودی ثقافتی نظام کے اس وژن کا عکاس ہے جس کے تحت سرگرمیوں کو مملکت کے تمام علاقوں میں پھیلانا اور تخلیق واظہار کے نئے راستے کھولنا مقصود ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس پروگرام میں علم اور تفریح کا ایسا متوازن امتزاج رکھا گیا جس نے معاشرے کے تمام طبقوں کو اپنی طرف کھینچا اور ہر عمر کے لوگوں کو ایک بھرپور ثقافتی ماحول فراہم کیا۔ انھوں نے کہا کہ اتھارٹی ثقافت کو عوامی منظر نامے میں نمایاں کرنے اور ادیبوں وقارئین کو ثقافتی پیداوار کے بنیادی ستون کے طور پر سراہنے کے لیے کوشاں ہے۔ میلے کی سرگرمیاں چار اہم مقامات یعنی الدرب، المطل، الفناء اور الصرح میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان مقامات پر 270 سے زیادہ پروگرام پیش کیے گئے جن میں 176 ثقافتی سرگرمیاں، 84 تھیٹر شوز، 7 موسیقی اور شعری نشستیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ 45 ادبی وفنی فن پارے پیش کیے گئے اور دست کاروں کے لیے 20 فنی پلیٹ فارمز مختص کیے گئے تاکہ وہ پیشہ ورانہ ماحول میں اپنی مصنوعات کی نمائش کرسکیں۔ ان سرگرمیوں میں ایسے تعاملی پلیٹ فارمز بھی شامل تھے جہاں زائرین منتخب اشعار سن سکتے تھے۔ موسیقی کے پروگراموں اور شعری مقابلوں سے لطف اندوز ہوسکتے تھے اور تاریخ کے نامور ادیبوں کی زندگی اور ان کے کام سے واقفیت حاصل کرسکتے تھے۔ اس شاندار ادبی میلے میں ایک معلوماتی پویلین بھی تھا جو ادب، اشاعت اور ترجمے کے شعبوں کی معاونت کے لیے اتھارٹی کے کردار اور اس کے اقدام کو اجاگر کررہا تھا۔ میلے میں بچوں کے لیے ایک حصّہ مختص کیا گیا تھا۔ اس زون میں پانچ اہم گوشے، تعلیمی سرگرمیاں اور دلچسپ کھیل شامل تھے۔ ساتھ ہی ایک 'حکواتی' تھیٹر یا قصہ گو تھیٹر بھی تھا جس نے تفریحی انداز میں بامقصد کہانیاں سنا کر نئی نسل میں ثقافتی شعور بیدار کرنے میں حصہ لیا۔ طائف کو 31 اکتوبر 2023 کو یونیسکو کے تخلیقی شہروں کے نیٹ ورک میں ادب کے شعبے میں شامل کیا گیا تھا۔ اس شہر میں اس میلے کا انعقاد اس کی ثقافتی حیثیت اور مقامی وعالمی ادبی منظر نامے میں اس کے فعال کردار کی توثیق کرتا ہے۔ یاد رہے کہ طائف یہ اعزاز حاصل کرنے والا پہلا سعودی شہر ہے۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	اُردو فکشن: تفہیم و تجزیہ (تنقیدی مضامین)
مصنف	:	ابراہیم افسر
اشاعت	:	2025
ضخامت	:	240 صفحات
قیمت	:	399 روپے
ناشر	:	اصیلا آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج، نئی دہلی-100002
تبصرہ نگار	:	شین شکیل، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

’اُردو فکشن: تفہیم و تجزیہ‘ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ابرہیم افسر صاحب ماہرِ’رشید حسن خاں‘ ہیں۔ رشید حسن خاں پر اب تک ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ابراہیم افسر کی فکشن تنقید پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں شامل زیادہ تر مضامین تنقیدی اور تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ جس کی وجہ سے کسی بھی مضمون کا مطالعہ کرتے وقت قارئین کو اُکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا اور قارئین کا تجسس شروع سے آخر تک برقرار رہتا ہے۔ فکشن تنقید پر ڈاکٹر ابراہیم افسر کی یہ پہلی کاوش ہے۔ اس کا ذکر کتاب کے پیش لفظ میں موجود ہے۔ اس کتاب میں بیس (20) مضامین شامل ہیں۔ یہ تمام مضامین مختلف رسائل و جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔ ہر مضمون میں گہرائی اور گیرائی ہے۔ تمام مضامین لائقِ ستائش ہونے کے علاوہ فکشن کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

’ارتضٰی کریم کی تنقید فہمی (عجائب القصص کے تناظر میں)‘ یہ مضمون شاہ عالم ثانی کی داستان عجائب القصص پر مبنی ہے۔ اس مضمون میں داستان عجائب القصص کے وجود میں آنے اور مغلیہ تہذیب کے دورِ انحطاط کا ذکر موجود ہے۔ ’ناول غالب کا تنقیدی تجزیہ‘ مضمون میں غالب کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ غالبؔ کے پنشن کے قصے کو پیش کیا گیا ہے۔ ابراہیم افسر نے مضمون کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر غالب کی زندگی کو عطر سے دھلی ہوئی زبان میں پڑھنا ہے تو قاضی عبدالستار کا ناول ’غالب‘ کا مطالعہ کیجیے۔ ’ناول دھنورا کا تجزیاتی مطالعہ‘ مضمون میں اسلم جمشید پوری کے ناول ’دھنورا‘ کے تمام پہلوؤں پر تجزیہ دل چسپ انداز میں کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ابراہیم افسر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ’دھنورا‘ ناول ایک سوانحی ناول ہے اور جب بھی سوانحی ناولوں کا ذکر ہوگا اس میں ’دھنورا‘ ناول کا ذکر ضرور ہوگا۔ سماجی رزمیہ: ناول ’لفظوں کا لہو‘ پر ابراہیم افسر تجزیاتی اور تحقیقی نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جواں سال فکشن نگار سلمان عبدالصمد کا پہلا ناول ہے۔ ناول ’لفظوں کا لہو‘ کا موضوع صحافت، صحافی اور صحافتی گھرانے پر مشتمل ہے۔ اس ناول کو سماجی مسائل کے رزمیے کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ ’ناول جے این یو کمرہ نمبر 259 کا تنقیدی جائزہ‘ مضمون میں ابراہیم افسر نے لکھا ہے کہ عمران عاکف خان نے صحافتی اور بیانیہ انداز اختیار کر کے جے این یو کمرہ نمبر 259 میں گیارہ عناوین قائم کیے ہیں۔ ناول میں 184 صفحات پر ماضی، حال اور مستقبل کی حسین یادوں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ موصوف اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عمران عاکف خان نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر جو خواب دیکھے تھے، اُنھیں شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے قلم کا سہارا لیا ہے۔ ’جے این یو کمرہ نمبر 259 کو ناول تسلیم کیا جائے یا نہیں‘ یہ آنے والے وقتوں میں ناقدین فیصلہ کریں گے۔ دوسری طرف انھوں نے یہ بھی لکھا کہ جے این یو، 2015 تا 2018 جن ہنگامی حالات سے گزرا انھیں کتابی شکل میں محفوظ کر لینا خوش آئند بات ہے۔

’ڈراما ضحاک کی عصری معنویت‘ مضمون میں ڈاکٹر ابراہیم افسر لکھتے ہیں کہ یہ ڈراما پروفیسر محمد حسن نے ایمرجنسی میں لکھا تھا جب سچ بولنا اور لکھنا سخت ممنوع تھا۔ یہ مضمون بڑا ہی دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ اس مضمون کا ہر ایک لفظ اور جملہ قاری کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ محمد حسن کا یہ ڈراما 6 سین اور دس کرداروں پر مشتمل ہے۔ اس ڈرامے کے ذریعے پروفیسر موصوف نے مظلوم اور بے حس لوگوں کی آواز حکومت کے کانوں تک پہنچانے کا بیڑا اُٹھایا۔ ڈرامے میں نثری نظموں کو خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ آخر میں ڈرامے کی معنویت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ڈراما لکھے ہوئے نصف صدی کا وقت ہو چکا ہے، مگر اس کی عصری معنویت میں ذرہّ برابر کمی نہیں آئی ہے۔ اگر اس ڈرامے کو اکیسویں صدی کے ابتدائی پچیس (25) برسوں کے پس منظر میں دیکھیں تو اس کی افادیت‘ اہمیت اور معنویت اور بڑھ جائے گی۔

’ڈراما اس شکل سے گزری غالب، کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ‘ کو اُردو کے معروف شاعر، ادیب اور مصور صادق نے لکھا ہے۔ صادق صاحب اُردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانوں پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ اُن کے کئی شعری مجموعے رومن، ہندی اور انگریزی میں شائع ہوئے ہیں۔ صادق صاحب نے اپنے ڈرامے میں غالب کے پنشن کے مقدمے کی روداد کو سلسلے وار اور آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ اس ڈرامے کی زبان شستہ اور سلیس ہے۔ بیانیے کو تاریخ کی چاشنی میں لپیٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ قارئین اور سامعین کی نگاہیں اس ڈرامے سے تب تک نہیں ہٹتیں جب تک ڈراما مکمل نہ ہو جائے۔ ’اس شکل سے گزری غالب‘ ایک کامیاب ڈراما کہلانے کا مستحق ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے آسانی سے اسٹیج پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

’اُردو فکشن کا داستان گو: انتظار حسین‘ مضمون میں ابراہیم افسر لکھتے ہیں کہ انتظار حسین کو ناقدین نے ’زندہ داستان گو‘ کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ انتظار حسین اُردو فکشن میں ایک لیجنڈ (Legend) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ بیک وقت افسانہ نگار، ناول نگار، ڈراما نگار، نقاد اور ترجمہ نگار کے ساتھ ساتھ کامیاب کالم نویس بھی تھے۔ انتظار حسین کی تمام تخلیقات کا احاطہ کرتے ہوئے ابراہیم افسر لکھتے ہیں کہ انتظار حسین کے افسانوں کو صرف ایک ملک، مخصوص زبان یا سرحد کے ساتھ منسلک کرنا ان کے فن کے ساتھ ناانصافی کرنے کے برابر ہوگا۔ لیکن ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ افسانہ نگار یا ادیب کسی ملک کی ملکیت تو ہو سکتے ہیں، مگر ان کی تخلیقات میں پنہاں پیغام پوری دنیا کے لیے ہوتا ہے۔ اصل میں اُن کی کہانیاں ایک عظیم فن کار کی عظیم نشانیوں کے طور پر ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔

بہر حال، زیرِ نظر کتاب تمام عمومی خامیوں سے صاف ہے۔ ابراہیم افسر کا اسلوب بہت ہی رواں دواں ہے۔ ان کی تحریروں میں کہیں بھی کج روی کا شبہ نہیں ہوتا۔ حالاں کہ کتاب میں شامل تمام مضامین تنقیدی و تحقیقی ہیں لیکن ان میں یکسانیت بالکل نہیں ہے۔ نیا انداز اور نیا عنصر ابراہیم افسر کے ہر مضمون میں دیکھنے اور پڑھنے کو ملتا ہے۔ کتاب کا سرورق بہت خوب صورت اور دیدہ زیب ہے۔ میں ابراہیم افسر صاحب کو اس خوب صورت اور اہم کتاب کو شائع کرنے پر بہ صمیمِ قلب مبارک بادی پیش کرتا ہوں۔ اور دعا گو بھی ہوں کہ یہ کتاب فکشن تنقید میں دل چسپی رکھنے والے ہر خاص و عام قاری تک پہنچے تا کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

◆◆◆

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیر ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

پروفیسر غلام قدوس فہمی

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

پروفیسر غلام قدوس فہمی نے اقبال کو جدید انسان کے روحانی بحران کے تناظر میں بھی دیکھا۔ ان کے نزدیک جدید انسان معنویت کے فقدان کا شکار ہے۔ اقبال اس بحران کا فکری حل پیش کرتے ہیں۔ وہ جدید سرمایہ دارانہ نظام، نوآبادیاتی ذہنیت اور اخلاقی زوال پر اقبال کے ردِعمل کا تجزیہ کرتے ہیں۔ بقول پروفیسر فہمی:

''اردو شاعری کے جدید دور میں اقبال ایک نابغہ بن کر پیدا ہوئے اور عہدِ آفریں بن کر ابھرے، جس طرح حالؔی کو اردو شاعری کی نئی صبح کا ابھرتا ہوا سورج کہا جاتا ہے، اسی طرح اقبال کو اردو شاعری کے نئے دن کے نصف النہار کا آفتاب کہنا چاہیے۔...اقبال بھی عہدِ آفریں ہیں اور وہ اس جہت سے کہ اردو شاعری میں ایک نصب العین کے تحت مبسوط اور منظّم فلسفیانہ خیالات کا اظہار سب سے پہلے کرنے کے علاوہ فنّی دل آویزیوں میں رنگارنگی بھی انھوں نے ہی سب سے پہلے پیدا کی''۔

(بحوالہ: سر محمد اقبال، غلام قدوس فہمی، ایڈیشن 2001، ص:34)

آگے لکھتے ہیں:

''اپنے دائرۂ اثر کے اعتبار سے ہی نہیں اپنا نورِ بصیرت عام کردینے کے لحاظ سے بھی اقبال نے ایک نئے دور کی تخلیق کی ہے۔ مثبت یا منفی اثرات سے قطع نظر اس دور کی شاعری میں اقبال کی طرح غور وفکر کا تعمق ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ فکر ونظر کا دور ہے جب بہت سارے شاعر عام اس سے کہ وہ اقبال سے کسی طور پر متاثر ہوں نہ ہوں حیاتِ انسانی کی غرض وغایت پر منکرانہ انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں''۔

(بحوالہ: سر محمد اقبال، غلام قدوس فہمی، ایڈیشن 2001، ص:35)

فہمی صاحب بطور استاد بھی غیر معمولی تھے۔ وہ طلبہ کو اقبال کے نام سے مرعوب کرنے کے بجائے سوال اٹھانے کی تربیت دیتے تھے۔ ان کا تدریسی اصول تھا اقبال کو سمجھنے کے لیے اختلاف سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ان کے شاگرد آج مختلف جامعات میں تدریس وتحقیق سے وابستہ ہیں اور ان کے فکری اثرات کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان کی تحریروں کا سب سے نمایاں وصف تنقیدی دیانت ہے۔ وہ اقبال کے بعض اشعار اور تصورات کی تعبیر میں موجود ابہام کی نشان دہی بھی کرتے ہیں، جو ایک سچے محقق کی علامت ہے۔ بقول پروفیسر غلام قدوس فہمی:

''اقبال کا فن کئی جہتوں سے نئی شاعری کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ روایت اور جدت کے روغن سے اقبال نے جو قندیل روشن کی ہے وہ آج بھی توازن اور اعتدال کی راہ پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کو اپنی طرف پکار پکار کر متوجہ کر رہی ہے۔ غزل ہو یا نظم، اقبال نے شاعری کی ان دونوں صفوں میں شاہکار نمونے پیش کیے ہیں''۔

(بحوالہ: سر محمد اقبال، غلام قدوس فہمی، ایڈیشن 2001، ص:43)

مختصر یہ کہ پروفیسر غلام قدوس فہمی کا شمار ان محققین میں ہوتا ہے جنھوں نے اقبالیات کو خطابت سے نکال کر تحقیق کی سطح پر رکھا، عقیدت کے ساتھ تنقید کا توازن قائم کیا اور اقبال کو ایک زندہ فکری روایت کے طور پر پیش کیا۔ پروفیسر غلام قدوس فہمی کی رحلت اردو ادب، خصوصاً اقبالیات کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ ان اہلِ علم میں سے تھے جنھوں نے شہرت پسندی سے تاعمر گریز کیا مگر اپنے علمی وفکری انقلابات سے ادبی معاشرے پر گہرا نقش چھوڑا۔ افسوس صد افسوس اب پروفیسر فہمی ہمارے درمیان نہیں رہے کہ انھوں نے تقریباً 82 سال کی طویل عمر کے بعد رحلت فرمائی ہے۔ ان کا علمی ورثہ آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتِ خاص میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی علمی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

پرنسپل، سی۔ ایم کالج، دربھنگہ (بہار)
Mob. No. 9431414586
E-mail: rm.meezan@gmail.com

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کی جانب سے تین روزہ عالمی اردو کانفرنس کا آغاز

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

پروفیسر مظفر علی شہ میری نے صدارتی تقریر میں اردو تہذیب کے حوالے سے کہا کہ موجودہ دور میں تہذیب دراصل ٹیکنالوجی اور مشینوں کے ذریعے سمجھنے کا نام ہے۔ پروفیسر احمد محفوظ نے 'کلاسکی اردو شاعری پر فارسی کے اثرات' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ بیشک فارسی زبان اردو سے بہت الگ ہے لیکن کلاسکی اور ادبی تہذیب کے لحاظ سے دونوں کا رشتہ بہت قریبی ہے۔ پروفیسر اخلاق احمد آہن نے 'کثیر لسانی ہندستان میں فارسی اور اردو کے ادبی وتہذیبی رشتے' کے موضوع پر گفتگو کی۔ پروفیسر وبھا شرما نے کہا کہ اردو انگریزی ہی کی طرح ایک انکلوزیو لینگوئج ہے۔ اس کا موازنہ انگریزی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر نسیم احمد نسیم نے اردو اور بھوجپوری کے رشتے پر پرمغز گفتگو کی۔ جاپان سے تشریف لائے محترم ماميا کینسا نے اردو اور ہندی کے رشتے کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جاپان میں اردو کے علاوہ ہندی زبان بھی سیکھی ہے۔

تیسرے سیشن کے صدر پروفیسر انیس الرحمٰن نے مقالہ نگاران کے مقالوں کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے اہم نکات کی نشاندہی کی۔ انھوں نے کہا کہ تقابلی مطالعات کے پیرامیٹرز طے کرنا بنیادی کام ہے۔

پہلے مہمانِ اعزازی جناب فیروز بخت احمد نے کہا کہ کئی لوگ اردو کو مذہب اور کلچر کی زبان کہتے ہیں، میرے حساب سے یہ مناسب نہیں ہے، اردو سب کی زبان ہے۔ دوسرے مہمانِ اعزازی پروفیسر فاروق انصاری نے کہا کہ ترجمہ تخلیق سے مشکل کام ہے اور اس کی ضرورت ہے۔ ترجمہ اردو کے فروغ واشاعت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ڈاکٹر ماہر منصور نے 'کنڑ اور اردو زبان کے باہمی تراجم پر ایک نظر' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ جناب اسلم مرزا نے 'اردو زبان وادب کی توسیع واشاعت میں تراجم کا حصہ' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو ثروت مند بنانے میں مختلف زبانوں کے تراجم کا نمایاں حصہ ہے۔ ڈاکٹر شفق سوپوری نے 'اردو کے کشمیری زبان پر جمالیاتی، تہذیبی وثقافتی اور ادبی ولسانی اثرات'، پروفیسر احمد عبدالرحمٰن القاضی نے 'مصر میں ہندستانی زبانوں کی تعلیم اور عربی شعور کی تشکیل میں ترجمہ نگاری کا کردار'، ڈاکٹر آصف علی ممود نے 'ماریشس میں بولی جانے والی مختلف زبانوں پر اردو کے اثرات'، ڈاکٹر امان اللہ ایم بی نے 'تمل اور اردو: لسانی وادبی تقابل، افکار واقدار اور باہمی اشتراک' کے موضوعات پر مقالے پیش کیے۔

تکنیکی سیشنز کے بعد ایم اے انصاری آڈیٹوریم (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) میں 'شامِ غزل' کے عنوان سے ایک شاندار ثقافتی تقریب کا اہتمام کیا گیا، جس میں معروف غزل سنگر جناب راجیش سنگھ نے اپنے رفقا کے ساتھ مختلف غزلوں اور نغموں سے محظوظ کیا۔ ڈاکٹر فیضان الحق نے اس پروگرام کا تعارف پیش کیا اور مہمانوں کا استقبال کیا۔

عالمی اردو کانفرنس کے تیسرے دن تین اہم تکنیکی سیشنز اور مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ ان تینوں سیشنز میں اردو زبان کے دیگر زبانوں سے لسانی، ثقافتی، ادبی اور تہذیبی انسلاکات پر مختلف دانشوروں کی جانب سے اظہارِ خیال کیا گیا۔

صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد نے کہا کہ ہندستان جڑ کا نام ہے اور اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اس کی ہر شاخ کو ہرا رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔

پہلے مہمانِ اعزازی پروفیسر روی ٹیک چندانی نے سندھی واردو کے لسانی روابط پر اظہارِ خیال کیا۔ دوسرے مہمان اعزازی پروفیسر شافع قدوائی نے کانفرنس کے عنوان کے مختلف پہلوؤں کی جانب اشارہ کیا۔

محترمہ اسما امروز نے تیلگو اور اردو زبان کے لسانی روابط پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ دوسرے مقالہ نگار جناب خاور نقیب نے انڈین نالج سسٹم کے حوالے سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ جناب شبیر احمد نے قومی وراثت وثقافت اردو تراجم کے آئینے میں کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر انتخاب حمید نے زبان کی معاملاتی منطق اور نتائج کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر شمبھوناتھ تیواری نے اردو میں ہندستانی تہذیب وثقافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

دوسرے سیشن میں صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر عین الحسن نے تمام مقالہ نگاروں کے مقالات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو کم آنکنے کی ضرورت نہیں، اس نے مختلف علوم وفنون کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔ مہمانِ اعزازی ڈاکٹر جمیل اختر نے لسانی روابط کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر سفینہ بیگم نے رویندر ناتھ ٹیگور کی کہانیوں کے دو تراجم کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ ماریشس سے تشریف لائیں ڈاکٹر تاشیانہ شمتلی نے اردو اور ماریشس زبان کے لسانی روابط سے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔ پروفیسر مشتاق عالم قادری کا گوجری غزل پر اردو زبان کے اثرات اور پروفیسر جلال الحفناوی (مصر) کے مقالے کا موضوع اردو اور عربی زبان کے لسانی روابط سے متعلق رہا۔ ڈاکٹر ایلین ڈسولیرلیس (فرانس) نے 'تصوف اور تصور، ہسپانوی اور اردو' کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا اور کچھ مترجم نمونے بھی پیش کیے۔

تیسرے سیشن میں اپنے صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر قدوس جاوید نے کہا کہ ہندستان محض جغرافیائی خطے کا نام نہیں بلکہ کثیر الجہات تہذیبوں کا نام ہے۔

مہمانِ اعزازی پروفیسر ارتضیٰ کریم نے کہا کہ دیگر زبانوں کے جاننے والوں کو بھی اردو زبان وتہذیب کی نمائندگی کے متعلق غور کرنا چاہیے اس سے زبان کے فروغ کا دوطرفہ عمل سامنے آئے گا۔ دوسرے مہمان اعزازی پروفیسر اعجاز علی ارشد نے کہا کہ دیگر زبانوں کے الفاظ اور اثرات قبول کرنا کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے خوش آئند ہے۔

مقالہ نگاروں میں جناب محمد سیفی عمری اور پروفیسر ہینز ورنر (سویڈن) نے ہندستان میں اردو زبان وتہذیب کے حوالے سے گفتگو کی۔

اس سہ روزہ عالمی اردو کانفرنس کا اختتام قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال کے کلمات پر ہوا۔ انھوں نے کانفرنس کے متعلق وزیرِ اعظم عزت مآب نریندر مودی کا پیغام پڑھ کر سنایا۔

کانفرنس کے اختتام پر ایک خوب صورت مشاعرے کا بھی انعقاد کیا گیا جس کی صدارت بزرگ شاعر محترم چندر بھان خیال نے کی۔ اس مشاعرے میں پروفیسر شہپر رسول، ڈاکٹر پاپولر میرٹھی، جناب شکیل جمالی، پروفیسر سراج اجملی، جناب نعمان شوق، جناب افضل منگلوری، ڈاکٹر ماجد دیوبندی، جناب مظفر ابدالی، جناب منیش شکلا اور ڈاکٹر قمر سرور نے اپنے کلام سے نوازا۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض جناب معین شاداب نے انجام دیے اور تعارف واستقبال جناب محمد اکرام نے کیا۔

خراجِ عقیدت

پروفیسر غلام قدوس فہمی

آسمانِ اقبالیات کا ایک اور ستارہ غروب!

پروفیسر مشتاق احمد

اردو ادب بالخصوص اقبالیات کی روایت میں کچھ اہلِ علم ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے نہ شہرت کی خواہش کی اور نہ علمی دنیا میں اپنی موجودگی کو نمایاں بنانے کی کوشش کی، مگر ان کا ادبی و علمی کارنامہ اپنی فکری گہرائی، تنقیدی سنجیدگی اور تحقیقی دیانت کے سبب دیرپا اثرات چھوڑ گیا ہے۔ پروفیسر غلام قدوس فہمی (یکم اپریل 1944 تا 3 فروری 2026) اسی قبیل کے ایک معتبر اقبال شناس ہیں۔ 3 فروری 2026 کو ان کے انتقال نے اقبالیات کے سنجیدہ حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جس کا احساس وقت گزرنے کے ساتھ مزید گہرا ہوتا جائے گا۔ واضح ہو کہ غلام قدوس کی پیدائش یکم اپریل 1944 کو شمالی بہار کے ضلع دربھنگہ کے ایک قدیم قصبے کھرہوا میں ہوئی تھی۔ ان کی ابتدائی تعلیم خضرپور، کولکاتا میں ہوئی کہ ان کے والد مرحوم غلام نبی وہیں برسرِ روزگار تھے۔ انھوں نے 1959 میں نارتھ برُک ملٹی پرپس ضلع اسکول، لہریا سرائے دربھنگہ سے میٹرک پاس کیا اور 1965 میں ملّت کالج، دربھنگہ سے بی اے اردو آنرس کی ڈگری حاصل کی۔ 1969 میں بہار یونیورسٹی، مظفرپور سے اردو میں ایم اے اور 1972 میں فارسی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر نجم الہدیٰ کی نگرانی میں انھوں نے 'تفہیمِ اقبال' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر 1981 میں ایل این متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ سے پی ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر فہمی کی شروع سے ہی پیشۂ درس وتدریس سے وابستگی رہی۔ 1959 سے 1972 تک وہ اسکول میں استاد رہے اور 12/دسمبر 1974 سے 2004 تک سی ایم جے کالج، کھٹونا بازار، ضلع مدھوبنی، بہار میں بہ حیثیت اردو لکچرر، ریڈر اور پروفیسر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی ایک درجن سے زیادہ تحقیقی، تنقیدی اور شعری تصانیف اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ وہ تمام عمر پڑھنے اور لکھنے میں مشغول ومصروف رہے۔ بالخصوص اقبالیات ان کی فکر ونظر اور مطالعے کا محور ومرکز تھا۔ ان کی کتابیں 'تفہیمِ اقبال' (1997)، آئینۂ اقبالیات جلد اول (1999)، جلد دوم (2004) اور 'سرمحمد اقبال' (2001) اقبالیاتی ادب میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ کلامِ اقبال کا فنّی وتنقیدی جائزہ کے ساتھ ساتھ درجنوں اقبالیاتی مضامین موضوع اور مواد کے اعتبار سے حوالہ جاتی حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر تھے اور فنِ عروض پر مہارت رکھتے تھے۔ ان کے شعری مجموعے 'ضوپائے کائنات' (2011) اور 'آئینۂ گل' (2010) ان کی شاعرانہ عظمت کو مستحکم کرتے ہیں۔ ان کی ایک اہم کتاب 'اردو میں مستورات کی نعت گوئیاں' (2015) تحقیقی نوعیت کی کتاب ہے جس میں انھوں نے ایسی شاعرات جنھوں نے نعت گوئی کو عروج بخشا ان کی تفصیل موجود ہے۔ 'منیرۂ عنبریں' (2012) ان کے قطعات کا مجموعہ ہے۔ ان تمام شعری مجموعے کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے تحقیق وتنقید کے علاوہ شعروشاعری کے باب میں بھی خاطرخواہ اضافہ کیا ہے۔

چوں کہ یہ مضمون پروفیسر غلام قدوس فہمی کی اقبالیاتی خدمات، فکری منہاج، تحقیقی زاویۂ نظر اور ان کی تصانیف و مقالات کے تناظر میں ان کے علمی مقام کا تعین کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے، اس لیے راقم الحروف نے ان کے شعری کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اور صرف ان کے اقبالیاتی ادب کو اس مضمون کا محور ومرکز بنانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ پروفیسر غلام قدوس فہمی کا علمی سفر ایسے عہد میں شروع ہوا جب اقبالیات پر یا تو عقیدت آمیز خطابت کا غلبہ تھا یا پھر اقبال کو محض مغربی فلسفے کا ایک عکس بنا کر پیش کیا جارہا تھا۔ فہمی صاحب نے ان دونوں انتہاؤں سے گریز کرتے ہوئے اقبال کے فکری نظام کو اسلامی روایت، قرآنی شعور اور جدید فکری سوالات کے باہمی ربط میں سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کا بنیادی مقدمہ یہ تھا کہ اقبال کو نہ صرف شاعر کے طور پر پڑھا جانا چاہیے اور نہ محض فلسفی کے طور پر، بلکہ وہ ایک تہذیبی مفکر ہیں جن کا کلام ایک فکری نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ بقول غلام قدوس فہمی:

> ''اقبال فن کو زندگی کا آلۂ کار مانتے ہیں جس کا مقصد زندگی کی حرکت کو تیز کرنا اور انسانی مقاصد کے تابع رکھنا ہے۔ یہ مقصدیت شعر خود تخلیقی عمل کا تقاضا ہے۔ فن میں قدر خواہ حسن کی ہو یا اخلاق کی ہو، کائنات کے قانون حرکت وتغیر سے متعین ہوتے ہیں۔ قدر نہ خالص مادی ہے نہ خالص روحانی۔ اقبال روح اور مادے کی معنویت کے منکر ہیں۔ ان کا تصورِ کائنات وحدتی ہے، روح اور مادے میں جدلیاتی ربط ہے، یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جو جامد اور مطلق نہیں۔ حقیقت عدم ہے نہ ہستی بلکہ نمودفن کا سرچشمہ خارجی ہے مگر فنکار کی انفرادی استعداد اس کی اقدار کی تخلیق کرتی ہے۔ فن کو حرکی ہونا چاہیے، اپنے داخلی آہنگ میں بھی اور خارجی تاثر میں بھی۔ اقبال فن کار کی آزادی کا احترام کرتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے کسی اونگھتے ہوئے لمحے میں اس پر حکومت کے احتساب کی بھی بات کرتے ہیں مگر ان کا تصور حریت اس میں مانع آتا ہے اور اس خیال کی نفی کرتا ہے''۔

(بحوالہ: سرمحمد اقبال، غلام قدوس فہمی، ایڈیشن 2001، ص:25)

پروفیسر فہمی کا تحقیقی منہاج درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

1- متن کی مرکزیت:۔ وہ اقبال پر گفتگو سے پہلے متن کے سنجیدہ مطالعے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کے اشعار کو سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کرنا فکری بددیانتی ہے۔

2- فلسفیانہ احتیاط:۔ وہ اقبال کے تصورات کو مغربی فلسفے کے ساتھ جوڑتے ہوئے غیر ضروری مماثلتوں سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً نطشے، برگساں اور ہیگل کے حوالے سے۔

3- اسلامی تناظر:۔ فہمی صاحب کے نزدیک اقبال کی فکری اساس قرآن، حدیث اور اسلامی صوفی روایت میں پیوست ہے، جسے نظر انداز کر کے اقبال کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اقبالیات میں سب سے زیادہ زیرِ بحث رہنے والا تصور خودی ہے۔ پروفیسر غلام قدوس فہمی نے اس تصور کو نہایت متوازن انداز میں واضح کیا ہے۔ ان کے مطابق خودی، انا یا خودغرضی نہیں۔ خودی، ضبطِ نفس اور عبدیت سے نمو پاتی ہے، خودی کی معراج اجتماعیت اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اپنے ایک مقالہ 'اقبال اور تصورِ خودی' میں وہ لکھتے ہیں: ''اقبال کی خودی وہ قوت ہے جو انسان کو خدا کا مدِ مقابل نہیں بلکہ اس کا امین بناتی ہے''۔ یہ تعبیر انھیں ان ناقدین سے ممتاز کرتی ہے جو خودی کو محض طاقت اور تسلط کے تصور تک محدود کر دیتے ہیں۔ پروفیسر غلام قدوس فہمی کی ایک اہم کتاب 'تفہیمِ اقبال' ہے، جس میں انھوں نے اقبال کے فکری نظام کو اسلامی تاریخ، فقہی روایت اور صوفیانہ افکار کے تناظر میں پرکھا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اقبال کی جدیدیت، مغرب کی نقالی نہیں بلکہ اسلامی فکر کی اجتہادی روایت کا تسلسل ہے۔ فہمی صاحب کے نزدیک اقبال کا اصل مسئلہ مسلمان کی فکری بازیافت اور تہذیبی خود آگہی ہے۔

تصوف کے حوالے سے فہمی صاحب کا موقف نہایت متوازن ہے۔ وہ اقبال کو نہ تو تصوف کا منکر ثابت کرتے ہیں اور نہ روایتی صوفی شاعر۔ ان کے مطابق اقبال، ساکن تصوف کے ناقد ہیں، مگر حرکی اور اخلاقی تصوف کے علمبردار ہیں۔ اپنے مضمون 'اقبال اور تصوف: ایک فکری مطالعہ' میں وہ لکھتے ہیں: ''اقبال کا اعتراض تصوف پر نہیں، بلکہ اس تصوف پر ہے جو انسان کو عمل سے کاٹ دے''۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***